عصری تناظر میں مجتہد فیہ یعنی اختلافی مسائل میں

حاکم/ قاضی کے فیصلہ کی حیثیت

ادارہ

ہمارے فقہاءِ حنفیہ کے ہاں یہ ضابطہ مشہور ہے کہ حکمِ حاکم رافعِ خلاف ہوتا ہے، یعنی اگر کسی مجتہد فیہ مسئلہ میں حاکمِ مسلم نے کسی ایک جانب فیصلہ کیا تو اس فیصلہ پرعمل درآمد کرنا ضروری ہے، اور اس فیصلہ کے بعد عام لوگوں کے لیے اسی قول کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے، جس پر فیصلہ کیا گیا ہے، اگر کسی دوسرے قاضی کے پاس ایسا فیصلہ پہنچ جائے اور اس کا اپنا موقف اس قول کے خلاف ہو جس کے مطابق قاضی اول نے فیصلہ کیا ہو تو بھی اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہی فیصلہ کو نافذ رکھے، البتہ اگر پہلا فیصلہ قرآن کریم کی کسی آیت، سنتِ مشہورہ، اجماعِ امت وغیرہ کے خلاف ہو تو دوسری بات ہے۔ اس ضابطہ سے متعلق درج ذیل چند باتوں کی تحقیق مطلوب ہے:

❶ :۔ کیا اس کے لیے ضروری ہے کہ حاکم کو اجتہادی مسئلہ اور اس میں اہلِ علم کے اقوال و آراء کا علم ہو اور اس میں غور کرنے کے بعد وہ کسی ایک قول کو راجح سمجھ کر اس کے مطابق فیصلہ کریں یا یہ ضروری نہیں؟ بلکہ اگر حاکم و قاضی کو مسئلہ کا علم نہ ہو، لیکن اتفاقی طور پر اس کا فیصلہ کسی مجتہد کے قول کے مطابق ہوجائے تو بھی یہ حکم رافعِ خلاف تصور ہوگا؟

❷ :۔ عصرِ حاضر میں اکثر ممالک میں اپنا اپنا دستور و قانون مقرر ہوتا ہے اور قاضی ہو یا منتخب ہونے والا حاکم، وہ بہرحال اسی دستور و قانون کے مطابق کارروائی کرنے کا آئینی طور پر پابند ہوتا ہے، قضاۃ بھی اسی آئین و قانون کی روشنی میں فیصلہ کرنے کے مکلف ہوتے ہیں، جبکہ آئین و قانون مکمل طور پر اسلامی تعلیمات کا پابند نہیں ہوتا، اب اگر کوئی قاضی یا حاکم اسلامی تعلیمات سے قطع نظر کر کے صرف آئین و دستور کے پیشِ نظر کوئی قانون یا فیصلہ کرتا ہے اور وہ فیصلہ کسی مجتہد کے قول کے مطابق

ثابت ہوجائے تو ان جیسے فیصلوں کی بھی وہی حیثیت ہوگی کہ ان کو رافعِ خلاف سمجھا جائے گا یا نہیں؟

❸:۔ اجتہادی مسائل سے کیا مراد ہے؟ اس کا دائرہ کار کیا ہے؟ کیا اس سے وہی مسائل مراد ہیں جو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے درمیان محلِ اجتہاد رہے ہیں یا عموم مقصود ہے؟ پہلی صورت میں اگر کوئی حاکم مذاہبِ اربعہ کے خلاف کوئی فیصلہ کرتا ہے تو وہ نافذ نہیں ہوگا، گو وہ ان حضرات ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی امام و مجتہد کا موقف ہو، جبکہ دوسری صورت میں ایسے فیصلے بھی نافذ قرار دیئے جائیں گے؟

❹:۔ کیا مقلد (یا اجتہادی صلاحیت سے قطعاً محروم) کو اختیار ہے کہ اجتہادی مسئلہ میں کسی بھی قول کے مطابق فیصلہ کریں؟ یا جس طرح مقلد مفتی عام حالات میں اپنے مذہب کے خلاف فتویٰ صادر نہیں کرسکتا، بلکہ اس کے لیے کچھ اصول و شرائط ہیں، جس کی پابندی کرنی ضروری ہے، یوں ہی درج بالا حاکم کے لیے بھی اجتہادی مسائل میں فیصلہ کرنے کے لیے کوئی ضابطہ مقرر ہے؟

برائے کرم ان سوالات کا جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا جزیلا

مستفتی: عبیدالرحمٰن، (مردان)

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

واضح رہے کہ ''اجتہاد'' کا لغوی معنی کوشش کرنا ہے، اور شرعاً ''اجتہاد'' اس کوشش کو کہتے ہیں جو کوئی مجتہد سطح کا عالمِ دین کسی ایسے دینی مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے کرتا ہے جس میں قرآن و سنت کا کوئی واضح حکم موجود نہ ہو۔

پھر اجتہاد کی پہلی قسم ''اجتہادِ مطلق'' ہے جس کا دائرہ اجتہاد کے اصولوں کی تشکیل و تدوین اور قواعد و ضوابط کی ترتیب کو بھی محیط ہے، اس پر بیسیوں اصحابِ علم نے کام کیا، لیکن امت کے اصحابِ علم میں سب سے زیادہ پذیرائی ائمہ اربعہ کے کام کو حاصل ہوئی اور اسی کی بنیاد پر مستقل فقہی مذاہب تشکیل پاگئے۔

اور دوسری قسم ''عملی اجتہاد'' ہے جس کی اب بھی جزوی پیش آمدہ اور فروعی مسائل میں ضرورتِ شرعیہ کے موقع پر گنجائش ہے، البتہ اس میں ماضی کے اجتہادات کو ترجیح حاصل ہے۔

انہی قواعد و ضوابط میں سے سوال میں مذکور فقہاء حنفیہ کا ایک ضابطہ یہ ہے کہ: ''حکمِ حاکم مجتہد فیہ مسائل میں رافعِ اختلاف ہوتا ہے، یعنی مسلمان حاکم نے مجتہد فیہ مسئلہ میں کسی ایک قول پر فیصلہ کیا تو اس فیصلہ پر عمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے اور اس فیصلہ کے بعد کسی کو دوسرے قول پر فیصلہ دینے کا حق نہیں رہتا۔''

سب سے پہلے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ''مجتہد فیہ مسائل'' سے کیا مراد ہے؟ تاکہ اجتہادی مسائل کی تعیین ہوجائے اور اس میں حاکم کا فیصلہ رافعِ اختلاف متصور کیا جائے۔ چنانچہ فقہاء کرام کی عبارتوں پر

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ مسائل ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان مختلف فیہ رہے ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف حلت وحرمت، جواز وعدم جواز، اولیٰ وغیر اولیٰ کا ہوگا، جب کہ ائمہ اربعہ کے اقوال میں اختلاف درحقیقت صحابہؓ کا ہی اختلاف ہے، کیوں کہ صحابہؓ کے درمیان جو اختلاف تھا، اس میں کسی تیسرے قول کی گنجائش ہی نہیں، وہ یا تو حلال ہوگا یا حرام، جائز ہوگا یا ناجائز، اولیٰ ہوگا یا غیر اولیٰ، اور ائمہ اربعہ بھی اختلاف کرکے اس سے باہر نہیں نکل سکتے، لہٰذا صدرِ اول (زمانۂ صحابہؓ اور ائمہ اربعہ) کا اختلاف ہی مجتہد فیہ مسائل میں داخل ہے، اس کے بعد کے علماء وفقہاء کا اختلاف مجتہد فیہ مسائل میں داخل نہیں اور نہ ایسے اختلافی مسئلہ میں حکمِ حاکم رافعِ اختلاف ہوگا۔ ذیل میں فقہاء کرام کی عبارتیں نقل کی جاتی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''فتح القدیر'' میں ہے:

''قال (وإذا رفع إلى القاضي حكم حاكم أمضاه إلا أن يخالف الكتاب أو السنة أو الإجماع بأن يكون قولا لا دليل عليه. وفي الجامع الصغير: وما اختلف فيه الفقهاء فقضى به القاضي، ثم جاء قاضٍ آخر يرى غير ذٰلك أمضاه) والأصل أن القضاء متى لاقى فصلا مجتهدا فيه ينفذه ولا يرده غيرهٗ، لأن اجتهاد الثاني كاجتهاد الأول، وقد يرجح الأول باتصال القضاء به فلا ينقض بما هو دونه. (ولو قضى في المجتهد فيه مخالفا لرأيه ناسيا لمذهبه نفذ عند أبي حنيفة - رحمه الله - وإن كان عامدا ففيه روايتان) ووجه النفاذ أنهٗ ليس بخطأ بيقين وعندهما لا ينفذ في الوجهين لأنه قضى بما هو خطأ عندهٗ وعليه الفتوى، ثم المجتهد فيه أن لا يكون مخالفا لما ذكرنا. والمراد بالسنة المشهورة منها وفيما اجتمع عليه الجمهور لا يعتبر مخالفة البعض وذلك خلاف وليس باختلاف والمعتبر الاختلاف في الصدر الأول.

وفى فتح القدير تحت قوله: (وفي الجامع الصغير: وما اختلف فيه الفقهاء فقضى به القاضي ثم جاء قاضٍ آخر يرى غير ذٰلك أمضاه) ... الىٰ قوله: قال: وإليه أشار أبو بكر الرازي لأن ذلك كما قال المصنف خلاف لا اختلاف، ثم قال المصنف: المعتبر الاختلاف في الصدر الأول: يعني أن يكون المحل محلَ اجتهاد يتحقق الخلاف فيه بين الصحابةؓ. وقد يحتمل بعض العبارات ضم التابعين ... إلىٰ قوله: وبناء على اشتراط كون الخلاف في الصدر الأول في كون المحل اجتهاديًا قال بعضهم: إن للقاضي أن يبطل ما قضى به القاضي المالكي والشافعي برأيه: يعني إنما يلزم إذا كان قول مالك أو الشافعي وافق قول بعض الصحابةؓ أو التابعين المختلفين فلا ينقض باعتبار أنه مختلف بين الصدر الأول لا باعتبار أنه قول مالك والشافعي، فلو لم يكن فيها قول الصدر الأول بل الخلاف مقتضب فيها بين الإمامين للقاضي أن يبطله إذا خالف رأيه. وعندي أن هٰذا لا يعول عليه، فإن صح أن مالكا وأبا حنيفة والشافعي

مجتهدون فلا شك في كون المحل اجتهاديا وإلا فلا، ولا شك أنهم أهل اجتهاد ورفعة ولقد نرى في أثناء المسائل جعل المسألة اجتهادية بخلاف بين المشايخ حتى ينفذ القضاء بأحد القولين، فكيف لا يكون كذٰلك إذا لم يعرف الخلاف إلا بين هٰؤلاء الأئمة، يؤ يده ما في الذخيرة عن الحلواني أن الأب إذا خلع الصغيرة على صداقها ورآه خيرا لها بأن كانت لا تحسن العشرة مع زوجها، فإن على قول مالك يصح و يزول الصداق عن ملكها و يبرأ الزوج عنه، فإذا قضى به قاضٍ نفذ. وفي حيض منهاج الشريعة عن مالك فيمن طلقها فمضى عليها ستة أشهر لم تر دمًا، فإنها تعتد بعدهٗ بثلاثة أشهر، فإذا قضى بذٰلك قاض ينبغي أن ينفذ لأنه مجتهد فيه، إلا أنه نقل مثله عن ابن عمرؓ قال: وهٰذه المسألة يجب حفظها لأنها كثيرة الوقوع، ثم ذكر في المنتقى أن العبرة بكون المحل مجتهدا فيه اشتباه الدليل لا حقيقة الخلاف. قال: ألا ترى أن القاضي إذا قضى بإبطال طلاق المكره نفذ لأنه مجتهد فيه لأنه موضع اشتباه الدليل إذ اعتبار الطلاق بسائر تصرفاته ينفي حكمه، وكذا لو قضى في حد أو قصاص بشهادة رجل وامرأتين ثم رفع إلى قاض آخر يرى خلاف ذلك ينفذه، وليس طر يق القضاء الأول كونه في مختلف فيه، وإنما طر يقه أن القضاء الأول حصل في موضع اشتباه الدليل لأن المرأة من أهل الشهادة، إذ ظاهر قولهٖ تعالىٰ {فَرَجُلٌ وَّامۡرَأَتَانِ} [البقرة: ٢٨٢] يدل على جواز شهادتهن مع الرجال مطلقا وإن وردت في المداينة لأن العبرة لعموم اللفظ، ولم يرد نص قاطع في إبطال شهادة النساء في هٰذه الصورة؛ ولو قضى بجواز نكاح بلا شهود نفذ لأن المسألة مختلف فيها، فمالك وعثمان البتي يشترطان الإعلان لا الشهود، وقد اعتبر خلافهما لأن الموضع موضع اشتباه الدليل، إذ اعتبار النكاح بسائر التصرفات يقتضي أن لا تشترط الشهادة انتهى. ولا يخفى أنه إذا كانت معارضة المعنى للدليل السمعي النص توجب اشتباه الدليل فيصير المحل محل اجتهاد ينفذ القضاء فيه، فكل خلاف بين الشافعي ومالك أو بيننا و بينهم أو أحدهم محل اشتباه الدليل حينئذ إذ لا يخلو عن مثل ذلك فلا يجوز نقضه من غير توقف على كونه بين الصدر الأول.''

(فتح القدير، ج:٧، ص: ٣٠٠ تا ٣٠٥، كتاب أدب القاضى، فصل في قضاء المرأة، ط: دار الفكر)

''بدائع الصنائع'' میں ہے:

''(وأما) الذي يرجع إلى نفس القضاء فأنواع: منها أن يكون بحق وهو الثابت عند الله – عز وجل – من حكم الحادثة، إما قطعا بأن قام عليه دليل قطعي وهو النص المفسر من الكتاب الكر يم أو الخبر المشهور والمتواتر والإجماع، وإما ظاهرا بأن قام عليه دليل ظاهر يوجب علم غالب الرأي وأكثر الظن من ظواهر الكتاب الكر يم والمتواتر والمشهور وخبر الواحد والقياس الشرعي، وذٰلك في المسائل الاجتهادية التي اختلف فيها الفقهاء –رحمهم الله – والتي لا رواية في جوابها عن السلف بأن لم

تکن واقعة حتی لو قضی بما قام الدلیل القطعي علی خلافه ، لم یجز؛ لأنه قضاء بالباطل قطعا، وکذا لو قضی في موضع الخلاف بما کان خارجا عن أقاو یل الفقهاء کلهم، لم یجز؛ لأن الحق لا یعدو أقاو یلهم، فالقضاء بما هو خارج عنها کلها یکون قضاء باطلا قطعا.'' (بدائع الصنائع، ج:7، ص:4، کتاب آداب القاضی، فصل فی بیان شرائط جواز القضاء، ط:سعید)

''البحر الرائق'' میں ہے:

''وذلك في المسائل الاجتهادیة التي اختلف فیها الفقهاء أو التي لا روایة فیها عن السلف، فلو قضی بما قام الدلیل القطعي علی خلافه لم یجز؛ لأنه قضی بالباطل قطعا، وکذا لو قضی في موضع الاختلاف بما هو خارج عن أقاو یل الفقهاء لم یجز؛ لأن الحق لم یعدوهم، ولذا لو قضی بالاجتهاد فیما فیه نص ظاهر بخلافه لم یجز؛ لأن القیاس في مقابلة النص باطل ولو ظاهرا.''

(البحر الرائق، ج:٦، ص:٢٧٧، کتاب القضاء، ط:دار الکتاب الإسلامي)

''نهایة الوصول في درایة الأصول'' میں ہے:

''وأما المجتهد فیه: فهو کل حکم شرعي لیس فیه دلیل قاطع. ... الی قوله: وقال أبو الحسین البصری: (المسألة الاجتهادیة هي التي اختلف فیها المجتهدون في الأحکام الشرعیة). قال الإمام- رحمه الله-: وهذا ضعیف؛ لأن جواز اختلاف المجتهدین فیها مشروط بکون المسألة اجتهادیة، فلو عرفنا کونها اجتهادیة باختلافهم فیها لزم الدور. و فی هذا التضعیف نظر؛ لأن التعریف إنما وقع بالاختلاف لا بجواز الاختلاف، وهو غیره، ومثله لا یتأتی في نفس الاختلاف، لأنا نمنع أن الاختلاف فیها مشروط بکون المسالة اجتهادیة، وهذا لأنه قد یقع الاختلاف في الأحکام الشرعیة في غیر المسألة الاجتهادیة.''

(نهایة الوصول في درایة الأصول، ج:٨، ص:٣٧٨٧/ ٣٧٨٨، النوع السابع عشر: فی الاجتهاد، المقدمة، ط:المکتبة التجار یة)

''الأشباه والنظائر للسبکي'' میں ہے:

''تنبیه: قدمنا أنه لا نقض في المسائل الاجتهادیة المختلف فیها، فهل یلحق بها ما یقع للناس من حوادث لیس فیها خلاف للمتقدمین وإنما فیها آراء تتجاذب؟ قد کان یقع في الذهن أنها مثل الأول فلا ینقض فیه، ولکن قال الشیخ الإمام رضي الله عنه ومن خطه نقلت في المسألة التي أشرت إلیها: إنما یطلق المختلف فیه علی ما فیه خلاف لمن تقدم، وأما ما یقع لنا من صور المسائل وتتجاذب الآراء فیها فلا یقال: إنها من المختلف فیه، بل ینبغي أن ینظر فیها، فإن اتضح دلیل علیها اتبع وإلا فلا، وإن حکم حاکم منها بحکم ولم یکن علیه دلیل ینبغي جواز بعضه، وإن کان علیه

دليل لم ينقض. انتهى. ومن خطه نقلت وقد تستغرب هذا ولا غرابة فيه، بل الأمر إن شاء الله كما قال، وعليه تحمل أقضية صدرت من شريح وغيره نقضها علي وغيره في مسائل لم يكن يقدم فيها خلاف ولا عليها دلالة قاطعة.‘‘

(الأشباه والنظائر للسبكي، ج:۱، ص:۴۱۱، الكلام فى القواعد الخاصة، القول في المناكحات، ط:دار الكتب العلمية)

’’موسوعة القواعد الفقهية‘‘ میں ہے:

’’والخلاف: المراد به المسائل الخلافية بين الأئمة - وهي المسائل الاجتهادية.‘‘

(ج:۱۰، ص:۵۶۰، القاعدة الثالثة والأربعون بعد الثلاثمئة، ط:مؤسسة الرسالة)

ان عبارات سے واضح ہوا کہ اجتہادی مسائل کا دائرہ کار اور اس کی حدود کیا ہیں، اس کے علاوہ بھی مذکورہ ضابطہ کے متعلق فقہ کی کتابوں میں کافی شرائط اور حدود کا ذکر ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ ضابطہ مطلق و عام نہیں، وہ شرائط یہ ہیں:

۱:- حاکم کا فیصلہ ظلم پر مبنی نہ ہو، یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول کے خلاف نہ ہو۔

۲:- ایسا مجتہد فیہ مسئلہ ہو کہ جس میں اختلاف کرنے والوں کا اختلاف بھی معتبر ہو، جمہور کے قول اور اجماعی فیصلہ سے ہٹ کر کوئی متروک ومہجور قول نہ ہو۔

۳:- وہ حکم منسوخ نہ ہو چکا ہو۔

۴:- فیصلہ کرنے والا حاکم یا قاضی مجتہد اور صاحبِ رائے ہو، تبھی اس کا فیصلہ مجتہد فیہ مسئلہ میں معتبر ہوگا، اگرچہ فیصلہ کرتے وقت اسے اس مسئلہ میں اپنے مذہب کا علم نہ ہو یا علم تو ہو، لیکن فیصلہ اپنے مذہب کے خلاف ہو، البتہ قاضی مقلد کا فیصلہ اپنے مذہب کے خلاف معتبر نہیں۔

۵:- وہ فیصلہ ایسے مسئلہ میں ہو جس کے اندر عمومِ بلویٰ ہو، یعنی جس کے حل کے لیے لوگوں کا قاضی یا حاکم کے پاس بہت آنا جانا ہو۔

مذکورہ تمہید وتفصیل کی روشنی میں سوالوں کے جواب ملاحظہ فرمائیں:

❶ صورتِ مسئولہ میں حاکم کو اجتہادی مسئلہ کے اندر اہلِ علم کے اقوال و آراء کا علم ہونا ضروری ہے، تبھی اس کا حکم رافعِ خلاف متصور ہوگا، ورنہ اجتہادی مسئلہ میں بغیر علم کے اگر اتفاقی طور پر حاکم کا کوئی فیصلہ کسی مجتہد کے قول کے مطابق ہو جائے تو وہ رافعِ خلاف نہیں، بلکہ الٹا اس حاکم کی پکڑ اور گناہ کا ذریعہ ہوگا۔

❷ حاکم کا اسلامی تعلیمات سے منہ موڑ کر خالص ملکی قانون کو سامنے رکھ کر کیا جانے والا فیصلہ

بھی رافعِ خلاف نہ ہوگا، اگرچہ کسی مجتہد کے قول کے مطابق وہ فیصلہ کیوں نہ ثابت ہوجائے۔

❸ پیچھے تفصیل سے گزر چکا ہے کہ اجتہادی مسائل سے مراد وہ مسائل ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان مختلف فیہ رہے ہوں، صحابہ کرامؓ کا اختلاف حلت وحرمت، جواز وعدمِ جواز، اولیٰ وغیر اولیٰ کا ہوگا، جب کہ ائمہ اربعہ کے اقوال میں اختلاف درحقیقت صحابہؓ کا ہی اختلاف ہے، کیوں کہ صحابہؓ کے درمیان جو اختلاف تھا، اس میں کسی تیسرے قول کی گنجائش ہی نہیں، وہ یا تو حلال ہوگا یا حرام، جائز ہوگا یا ناجائز، اولیٰ ہوگا یا غیر اولیٰ، اور ائمہ اربعہ بھی اختلاف کرکے اس سے باہر نہیں نکل سکتے، لہٰذا صدرِ اول (زمانۂ صحابہؓ اور ائمہ اربعہؒ) کا اختلاف ہی مجتہد فیہ مسائل میں داخل ہے، اس کے بعد کے علماء وفقہاء کا اختلاف مجتہد فیہ مسائل میں داخل نہیں اور نہ ایسے اختلافی مسئلہ میں حکمِ حاکم رافعِ اختلاف ہوگا۔

❹ مفتی مقلد کی طرح غیر مجتہد مقلد حاکم بھی اپنے امام کے مذہب سے ہٹ کر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا، فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

''مطلب في قضاء القاضي بغير مذهبه

(قوله: قضى في مجتهد فيه) أي في أمر يسوغ الاجتهاد فيه بأن لم يكن مخالفا لدليل كما مر بيانه، وقوله: بخلاف رأيه متعلق بقضى، وحاصل هذه المسألة أنه يشترط لصحة القضاء أن يكون موافقا لرأيه أي لمذهبه مجتهدا كان أو مقلدا، فلو قضى بخلافه لا ينفذ، لكن في البدائع أنه إذا كان مجتهدا ينبغي أن يصح، ويحمل على أنه اجتهد فأداه اجتهاده إلى مذهب الغير، و يؤ يده ما قدمناه عن رسالة العلامة قاسم مستدلا بما في السير الكبير فراجعه، وبه يندفع تعجب صاحب البحر من صاحب البدائع.''

(فتاویٰ شامی، ج:۵،ص:۴۰۷،کتاب القضاء، فصل فی الحبس، مطلب فی قضاء القاضی بغیر مذھبه، ط:سعید)

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

''قضاء القاضي في المجتهدات نافذ لكن ينبغي أن يكون عالما بمواضع الخلاف و يترك قول المخالف و يقضي برأيه حتى يصح على قول جميع العلماء وإن لم يعرف مواضع الاجتهاد والاختلاف ففي نفاذ قضائه روايتان والأصح أنه ينفذ، كذا في خزانة المفتين.'' (فتاویٰ ہندیہ، ج:۳،ص:۳۵۷،کتاب ادب القاضی، ط: ماجدیہ)

''فتاویٰ قاضی خان'' میں ہے:

''(فصل فيما يقضى في المجتهدات وما ينفذ قضاؤه فيه ومالا ينفذ)القاضي إذا كان مجتهدا له أن يقضي برأي نفسه في المجتهدات، وهذه المسئلة على وجهين:

أحدهما: إذا كان مجتهدا وهو يعمل برأي نفسه، فقضى برأي غيره. قال أبو يوسف رحمه الله تعالى: لا ينفذ قضاؤه، وهو إحدى الروايتين عن محمد رحمه الله تعالى، واختلفت الروايات عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى، في أظهر الروايات عنه، ينفذ قضاؤه ولا يرد، وبه أخذ الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى، وعليه الفتوى.

والثانية: إذا كان مجتهدا فنسي مذهبه وقضى برأي غيره ثم تذكر رأيه، قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: ينفذ قضاؤه ولا يرد ويعمل برأيه في المستقبل، وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: يرد قضاؤه وهو الصحيح من قول محمد رحمه الله تعالى أيضا، وإن لم يكن له رأي في المسئلة فاستفتى مفتيا فأفتاه فقضى بفتواه ثم حدث له رأي لا يرد قضاؤه ويعمل برأيه الحادث في المستقبل.'' (فتاویٰ قاضی خان، ج:۲،ص:۴۲۴، كتاب القضاء، فصل فيما يقضى فى المجتهدات، ط:دار الكتب العلمية)

''الغيث الهامع شرح جمع الجوامع'' میں ہے:

''ثم ذكر المصنف أنه ينقض الحكم في المسائل الاجتهادية في صورتين: إحداهما: أن يحكم المجتهد على خلاف اجتهاد نفسه، فهو باطل لمخالفته ما وجب عليه العمل به من الظن. ثانيهما: أن يحكم المقلد بخلاف اجتهاد إمامه اللهم إلا أن يفعل ذلك لتقليده غيره ويجوز ذلك فإنه حينئذ لا ينقض، وفي الحقيقة صار ذلك المجتهد الثاني هو مقلده في تلك الواقعة.'' (الغيث الهامع شرح جمع الجوامع، ص:۷۰۸، الكتاب السابع فى الاجتهاد، ط:دار الكتب العلمية)

''الفتح الرباني للإمام الشوكاني'' میں ہے:

''ومما ينبغي التنبيه له: أن نصوص المذهب قاضية بأن الحاكم الذي لا يجوز نقض حكمه هو حاكم المجمع عليه الذي كملت له الشروط المعتبرة، وأما من كان فاقدًا لبعض تلك الشروط أو لغالبها فأهل المذهب الشريف لا يجعلون حكمه حكمًا ولا يمنعون من نقضه إذا خالف الحق.'' (الفتح الرباني للإمام الشوكاني، ج:۵، ص:۲۲۹۳، الفقه واصوله، بحث فى نقض الحكم اذا لم يوافق الحق، ط:مكتبة الجيل)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	اعجاز احمد ہزاروی
		تخصصِ فقہِ اسلامی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی